# اجمیر کے چند نامور شعراء

کلیدی الفاظ: #اجمیر #شعراء

ڈاکٹر فرخندہ ضمیر
ایسوسی ایٹ پروفیسر، ارباب مینشن،
اجمیر، راجستھان

**تلخیص:** اجمیر دنیا میں روحانیت کا مرکز رہا ہے۔ مغل سلاطین سے لیکر عام آدمی تک اس در کے معتقدین رہے۔ آپ کے سلسلے کے بزرگ اور عقیدت مندوں کی وجہ سے اردو زبان و ادب کی محفلیں یہاں روشن ہوئیں۔ غریب نوازؒ کا فارسی دیوان منظر عام پر آچکا ہے۔ شیخ دانیال کا اردو کلام بھی دستیاب ہے۔

اجمیر کی سرزمین میں جن شعرا نے شعر و سخن میں طبع آزمائی کی ان کے نام نسیم اجمیری، قابل اجمیری، امام الدین اثر، عرشی اجمیری، قابل اجمیری، معنی اجمیری وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ ان میں سے کچھ تلامزہ غالب و داغ بھی تھے۔ ان ہی چند نامور شعرا کی شعری خدمات کو اس مضمون میں پیش کیا گیا ہے۔

---

جن کی تابانی مہ انجم سے لیتی ہے خراج
اب بھی وہ ذرے غبار خاک اجمیر میں ہیں

اجمیر ایک تاریخی اور روحانی شہر ہے۔ یہاں حضور غریب نوازؒ کے مبارک قدموں کی آمد سے فارسی شاعری کیداغ بیل پڑی۔ اکبراعظم سے لے کر جہانگیر، شاہ جہاں اور کئی مغل سلاطین غریب نواز کے معتقد تھے۔ انھوں نے اکبری قلعہ میں شعر وسخن کی محفلیں منعقد کیں۔

خواجہ غریب نوازؒ کا فارسی دیوان 1871ء میں منشی نول کشور پریس کا چھپا ہوا دستیاب ہے۔ آستانۂ عالیہ کے ماہر آپ کی لکھی ہوئی ایک رباعی جعلی حروف میں کندہ ہے جو بہت مشہور ہے۔

شاہ است حسین، بادشاہ است حسین
دین است حسین، دین پناہ است حسین
سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لاالٰہ است حسین

آپ کے سلسلہ کے بزرگ اور معتقدین کی وجہ سے اردو زبان کے اثرات اجمیر تک پہنچ گئے اور آہستہ آہستہ اردو زبان تعمیر وتشکیل کے ارتقائی منازل طے کرتی رہیں جو اس زمانے میں ہندی یا ہندوی کہلائی۔ آخر کار اس نے اردو کی شکل اختیار کر لی۔ جب ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی زیر اختیار آئی تو اس نے اجمیر میں بھی 1836ء میں ایک سرکاری مدرسہ کھولا گیا۔

غرض یہ کہ ہر محکمہ میں اردو زبان کا کام کاج شروع ہو گیا۔ لہٰذا اردو دانوں کو جو نوازا گیا اور اردو کی ترقی وترویج پر دھیان دیا گیا۔ 1870 کے بعد تو باقاعدہ دفاتر میں اردو رائج ہو چکی تھی۔ اس میں اجمیر کے بزرگوں نے اردو ادب کی بڑی خدمت انجام دی اور غدر کے بعد سے اردو میں کتابیں لکھنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تحقیق کے

مطابق اجمیر کا پہلا اردو شاعر شیخ دانیال ہیں جنھوں نے عہد اکبری میں خواجہ صاحؒ کی یہ شان میں شعر کہا تھا۔

جگ جگ جیویں حضرت خواجے
حضرت نبی رسول نواجے

اجمیر میں سب سے پہلا مشاعرہ 1875ء میں ہوا جو ایک پنجابی درویش پنج شاہ نے کروایا تھا۔ 1861ء میں اردو پریس قائم ہوا اور اس سال ہفت روزہ اخبار ''خیر خواہ خلق'' جاری ہوا۔ 1926ء میں رسالہ'' کی'' نکلنے لگا۔ مشاعرے اور ادبی جلسے ہوئے۔ خواجہ صاحب کے عرس کے موقع پر مشاعرے ہوتے رہے ہیں جو آج تک ہوتے ہیں۔

1868ء میں اجمیر کے انٹرمیڈیٹ کالج میں اردو کی تعلیم جاری کردی گئی۔ معینیہ اسلامیہ ہائر سکنڈری اسکول نے اردو کے بلند پایہ شاعر پیدا کیئے اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ 1887ء میں مولانا عبدالصمد صاحب کلیم نے مثنوی صمصام الاسلام لکھی۔ 1908ء میں سید عبدالبشر کی تصنیف گلدستہ تاج شائع ہوئی۔ میرا حدی کی تصنیف ''خواجہ معین اجمیری''۔ عرش اجمیری کا ناول ''عرب کا چاند'' وغیرہ۔

غدر کے بعد جن بزرگوں نے کشت اردو کی آبیاری کی ہے، ان میں دیوان امام الدین اثر، میر کرامت علی خلش، مولانا عبدالباری معنی، عرش اجمیری، اور پروفیسر حمیداللہ خاں عرشی، مکٹ بہاری تاج، خنجر، کلیم وغیرہ۔ رائے بہادر شیونرائن شیدا، (شاگرد غالب) کا اصل وطن اجمیر ہی تھا۔

یہاں انجمن ترقی اردو کی شاخ کے علاوہ بزمعنی، بزم سلام وغیرہ ادبی انجمنیں

قائم کی گئیں۔

## عرش اجمیری

عرش اجمیری کا کلام پرانے اساتذہ کی میراث ہے۔آپ قادرالکلام شاعر تھے۔آپ کی ایک تصنیف ''الہامات'' دستیاب ہے جو 1929ء کی ہے۔ان کی غزل کے چند اشعار پیش ہیں۔

کوئی سنے نہ سنے مجھ سے داستاں میری
زبانِ حال ہے اب آبِ ترجماں میری
مٹا گئی خلش مرگ ناگہانی میری
کہ خاک چھوڑ گئی زیرِ آسمان میری

## اثر اجمیری

اثر اجمیری دیوان سید شاہ خواجہ امام الدین خاں صاحب اثر چشتی اجمیری آپ کی پیدائش 25 ستمبر 1847ء کو اجمیر شریف میں ہوئی۔آپ کے والد صاحب قاضی سید خواجہ منیرالدین صاحب چشتی تھے۔آپ کو عربی وفارسی پر اعلیٰ درجہ کی استعداد تھی۔جس کا اندازہ آپ کی تصنیف ''معین الاولیا'' سے بخوبی ہوسکتا ہے۔

آپ نے اجمیر میں ہی تعلیم حاصل کی اور مولوی حکیم حسن صاحب امروہوی سے بھی استفادہ حاصل کیا۔آپ اجمیر میں تحصیل داری کے معزز عہدہ پر فائز تھے۔گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے 1908ء میں مبلغ دوسو روپیہ کی پنشن مقرر کی گئی۔

امام الدین خاں اثر مرزا غالب کو اوران کی وفات کے بعد میر مظفر حسین شوخی کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔1920ء میں ریاست بالن پور کی جانب سے کلام کا کچھ

حصہ ایک دیوان کی صورت میں شائع ہوا۔ چند اشعار:

وصل کی خواہش وفا کا حوصلہ جاتا رہا
دل لگانے کا مزہ اوبے وفا جاتا رہا
اے اثر دل کے چلے جانے کا کیا اتنا ملال
ایک دن جا ہی تھا جاتا رہا جاتا رہا
وہی ہم ہیں وہی دل ہے وہی دردِ جدائی ہے
نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں غضب میں جان آئی ہے
دیا بھی تو دیا کس بے وفا کو دل اثر تم نے
تمام اجمیر میں مشہور جس کی بے وفائی ہے

درگاہ حضور غریب نواز کی وجہ سے یہاں اردو زبان وادب کو ترقی ملی۔ کئی ادباء ،شعراء یہاں آتے رہے اور شعروسخن کی محفلیں سجتی رہیں۔ اثر اجمیری صاحب خانوادے سے تعلق رکھتے تھے اس لیے وہ شعروسخن کی بزم آرائیوں کے دلدادہ تھے۔ اجمیر میں نعتیہ مشاعرے اس دور سے لے کر آج تک ہوتے رہتے ہیں۔

اثر اجمیری صاحب کی زبان میں الفاظ کی بندش، زبان کے چٹخارے اور روز مرہ کا خوبصورت استعمال ہے۔ کچھ صوفیانہ رنگ بھی ہے۔ یہ ان قدیم شعراء میں ہیں جنھوں نے ادب کے شائقین کے دلوں میں شعروسخن کا ذوق پیدا کیا۔

## اکبر اجمیری

اجمیر کے شعراء میں جناب خواجہ اکبر حسین اجمیری صاحب کا نام قابل ذکر ہے۔ آپ 1868ء میں اجمیر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد خواجہ سید شفیع حسین صاحب چشتی تھے۔ آپ کا تعلق خاندان سجادگان خواجہ غریب نوازؒ سے ہے۔

آپ کی تعلیم مولانا مفتی محمد قمرالدین صاحب کی سرپرستی میں ہوئی۔ جو مدرسہ معینیہ عثمانیہ درگاہ شریف اجمیر کے بانی اور مدرس تھے۔ آپ جید عالم تھے۔ آپ کی تصانیف فقہ اور احادیث کے متعلق ہیں۔ ان کے فیض صحبت نے اکبر حسین پر اثر ڈالا۔ گیارہ سال کی عمر میں شعر گوئی شروع کی۔ شاعری کے شوق کے لیے آپ اپنے چچازاد بھائی جناب سید امام الدین علی خاں اثر سے رجوع ہوئے جو غالب کے شاگرد رشید اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ فارسی اور اردو دونوں میں شاعری کرتے تھے۔ استاد کی تربیت کا اثر تھا کہ اکبر حسین اجمیری صاحب کے کلام میں بھی وہی زبان کے چٹخارے الفاظ کی بندش، روزمرہ استعمال اور محاورات کی صحیح ادائیگی، زبان کی لطافت شامل ہوگئی۔ اثر صاحب کے کلام میں تھی۔ غزل کے علاوہ نعت، منقبت، قصیدہ، مرثیہ، قطعہ، رباعی میں بھی آپ نے طبع آزمائی کی۔

حیدرآباد دکن کے وزیراعظم مہاراجہ پرشاد خواجہ اکبر بڑے مداح تھے۔ اجمیر میں جب کبھی داغ دہلوی تشریف لائے۔ مشاعرے منعقد ہوئے اور اکبر صاحب کے کلام سے داغ دہلوی محفوظ ہوئے اور تعریف فرمائے۔

زمانہ تغیر پذیر ہے حالات نے پلٹا کھایا اور خواجہ اکبر حسین اجمیری کو 1925ء میں اجمیر کو خیرآباد کہنا پڑا۔ اس افراتفری میں ایک مکمل دیوان ضائع ہوگیا۔ رنج وتکالیف، مصائب وآلام کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ نے آستانہ غریب نوازؒ پر رو رو کر اپنی فریاد پیش کی۔

ازل سے تاک میں تھا آسماں غریب نوازؒ
رہا جلا کہ میرا آشیاں غریب نواز
اٹھاؤں میں ستم آسماں غریب نوازؒ

یہ مجھ غریب میں طاقت کہاں غریب نوازؔ

نواب جاورہ سر محمد افتخار علی خاں بہادر کی خواہش پر جاورہ چلے گئے۔ نواب صاحب نے انھیں درباری شاعر کا اعزاز بخشتے ہوئے دوسو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کیا۔ یہاں اکبر صاحب نے ''بزم معین'' کی بنیاد ڈالی۔ اس کے تحت اعلیٰ پیمانے کے مشاعروں کا انعقاد عمل میں آیا۔ بزم معین کی شاخیں مالوہ اندور، منّو، رتلام، مندسور وغیرہ میں قائم کیں۔

اکبر صاحب وجیہہ شکل اور بزلہ سنج انسان تھے جو ایک مرتبہ ان سے مل لیتا ان کا شیدائی ہو جاتا۔ 1958ء میں بروز شنبہ رحلت فرما گئے۔ ہندوستان سے لے کر پاکستان تک صفِ ماتم چھا گئی۔ کئی جگہ تعزیتی جلسہ ہوئے۔

1925ء کی افراتفری میں آپ کا مکمل دیوان ضائع ہو گیا تھا۔ منتشر اور نامکمل کلام میں سب سے زیادہ غزلیں دستیاب ہوئی ہیں۔ آپ کو زبان پر کامل عبور تھا۔ آپ کا نمونہ کلام۔

بے وفاؤں کو باوفا جانا
خاک سمجھے یہ ہم نے کیا جانا
غیر عیار ہے زمانے کا
اس کے فقروں میں نو نہ آ جانا
تم کو اللہ دے اگر توفیق
پھول تربت پر دو چڑھا جانا
ہم نے سلطان ہند کو اکبرؔ
پیشوا، ہادی، رہنما جانا

## قابل اجمیری

آپ کا اصل نام عبدالرحیم تھا۔ آپ کے والد کا نام عبدالکریم تھا۔ آپ 27 اگست 1931ء میں اجمیر میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیم دارالعلوم معینیہ عثمانیہ درگاہ معلّٰی اجمیر میں ہوئی تھی۔ بچپن میں ہی والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ والد کے چند دنوں بعد ہی والدہ بھی تپ دق میں مبتلا ہوکر جہانِ فانی سے کوچ کر گئیں۔ والدین کے انتقال کے بعد دادا نے پرورش کی۔ ذریعہ معاش صحافت اور عرائض نویسی رہا۔ آبائی مکان تریولہ گیٹ کے اندر محلہ اندرکوٹ میں تھا۔ شعر گوئی کا شوق بچپن سے ہی تھا۔ ابتدائی کلام پر ارمان اجمیری سے اصلاح لی۔ لیکن ان کے ذوق شعری کو تسکین نہ ہوئی۔ پھر آپ نے صفی اجمیر یسے اصلاح لی، لیکن دونوں کے شاعرانہ مزاج میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔ دونوں کا سوچنے کا ڈھنگ بھی الگ اور دونوں کا اسلوب بھی مختلف تھا۔ صفی اجمیری ایک روایتی شاعر تھے جبکہ قابل اجمیری روایت کے اسیر نہیں تھے۔ ان کے کلام میں کلاسیکیت کے ساتھ جدت کا بھی احساس ہوتا ہے۔ اس بنا پر ہم قابل کو راجستھان کا پہلا روایت شکن اور جدید شاعر کہہ سکتے ہیں۔

وہ آزادئ وطن کے ساتھ پاکستان منتقل ہوگئے۔ اور حیدرآباد میں مستقل سکونت اختیار کی۔ وہاں انھوں نے ڈاکٹر عبدالعلیم کے تعاون سے ہفت روزہ پرچہ ''شاہین'' جاری کیا۔ قابل اجمیری پاکستان کے شہری بن جانے کے بعد بھی ہندوستان اور خاص طور سے اجمیر کو نہیں بھولے۔ ان کا دل اجمیر میں ہی تھا۔ جس طرح اختر شیرانی لاہور میں بسنے کے باوجود بھی ٹونک نہیں بھولے تھے۔ اپنی کئی نظموں میں اظہار کیا ہے۔ اسی طرح قابل اجمیری نے بھی متعدد نظمیں لکھی ہیں۔

خواجہ کا آستانہ دربار خسروانہ

وہ کیف وہ ترانہ کچھ بھی نہ ساتھ لایا

## اجمیر یاد آیا

قابل کے لیے پاکستان میں بھی حالات سازگار نہیں تھے۔ وہاں پر بھی انھیں پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلسل غم واندوہ نے انھیں توڑ کر رکھ دیا۔ بالآخر وہ بھی تپ دق کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ کوئٹہ کے ٹی بی سینی ٹوریم میں قابل کی ملاقات ایک عیسائی نرس سے ہوگئی جو محبت و وفا کا پیکر تھی۔ اس خاتون سے قابل کو عشق ہو گیا۔ قابل اجمیری نے اس خاتون سے شادی کر لی۔ شادی کے بعد وہ مسلمان ہوگئی۔

اس کی محبت وخلوص، دیکھ بھال سے قابل اچھے ہو گئے۔ اس خاتون کا اسلامی نام نرگس تھا۔ قابل کا اس سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ لیکن قابل کی صحت پھر خراب ہوگئی۔ ان کا انتقال 3/اکتوبر 1162ء کو حیدرآباد سندھ (پاکستان) میں ہوا۔

قابل بہت خوددار انسان تھے۔ انھوں نے پریشانی میں بھی کس کے آگے دست سوال دراز نہیں کیا۔ اکیلے ہی حالات کا مقابلہ کرتے رہے۔ انھوں نے غم یار کو غم روزگار میں ضم کر دیا۔ وہ ان اندھیروں میں بھی امید کی کرن تلاش کر لیتے تھے۔ ان کے نزدیک ناامیدی کفر ہے۔ قابل کے حالات اور قابل کی خصوصیات کچھ حد تک مجاز لکھنوی سے ملتی ہیں۔ اس لیے ہم انھیں مجاز ثانی بھی کہہ سکتے ہیں۔

قابل اجمیری نے غزلیں، قطعات، نظمیں وغیرہ لکھیں۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے کلام کے مجموعہ ''دیدہ بیدار'' خونِ رگِ جاں' اور اس کے بعد باقیات قابل منظر عام پر آئے۔

قابل بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ ان کی غزلوں میں عشقیہ جذبات وکیفیات کا اظہار تو ہے لیکن ابتذال نہیں۔ عشق کا مہذب تصور ملتا ہے۔

رضائے دوست قابل میرا معیارِ محبت ہے
انھیں بھی بھول سکتا تھا اگر ان کی خوشی ہوئی

☆☆☆

حادثے زیست کی توقیر بڑھا دیتے ہیں
اے غمِ یار تجھے ہم تو دعا دیتے ہیں

قابل اجمیری کو ہم ترقی پسند شاعر کہہ سکتے ہیں۔ حالانکہ وہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ نہیں رہے۔ دراصل وہ ایک روشن خیال اور روایت شکن شاعر تھے۔ وہ زندگی کے جدید تقاضوں اور بدلتے ہوئے رجحان سے باخبر تھے۔ ان کے یہاں کلاسیکی روایت کی پاسداری بھی ہے۔ اسی لیے ان کے یہاں پرانی لفظیات میں بھی تازگی ہے۔ وہ خود کہتے ہیں۔

مجھے مشکل سے سمجھے گا زمانہ
نیا نغمہ نئی آواز ہوں میں

ان کے خیال سے ترقی پسند عناصر کا پتہ چلتا ہے۔

رنگِ محفل چاہتا ہے اک مکمل انقلاب
چند شمعوں کے بھڑکنے سے سحر ہوتی ہیں

قابل اجمیری کی شاعری میں نازک تشبیہات واستعارات کا استعمال خوبصورت انداز میں کیا ہے۔

تم نامانوس مگر حقیقت ہے
عشق اسان کی ضرورت ہے
رہ گزارِ حیات ہم نے

خود نئے راستہ نکالے ہیں

قابل اجمیری کے کلام کو مقبولیت ان کے انتقال کے بعد ملی۔ انھیں شاید اس بات کا اندازہ تھا۔ اس لیے انھوں نے کہا تھا۔

مجھے مشکلسے سمجھے گا زمانہ
نیا نغمہ نئی آواز ہوں میں

قابل کی عمر نے وفا نہ کی۔ ورنہ شاعری میں وہ اور کیا کیا گل کھلاتے۔ انھوں نے غم جاناں اور غمِ دوراں کی جو تلخیاں اٹھائیں۔ وہ ان کے کلام میں بہت خوبصورت انداز میں ملتی ہیں۔

تمھیں جو میرے غم دل سے آگہی ہوجائے
جگر میں پھول کھلیں آنکھ شبنمی ہوجائے

اجمیر میں ان قابل قدر شعرا کے علاوہ بھی کئی شعراء ہیں جنھوں نے شعر و سخن کی شمع جلائے رکھی۔ ان میں بہت سارے نام ہیں۔ عصر حاضر میں کئی شعراء اردو شاعری کے گیسو سنوار رہے ہیں۔

# کتابیات


۱۔اجمیر کا دبستانِ شاعری۔شاہد احمد

۲۔موجودہ اور نمائندہ شعرائے اجمیر۔فضل المتین

۳۔قابل اجمیری۔ احتشام اختر

۴۔انجمنِ گل۔سرور تونسوی

۵۔تذکرہ شعرائے اجمیر شریف۔عبد اسمیع بسمل

۶۔مشاہیرِ ادب راجستھان۔شاہد احمد

۷۔راجپوتانہ میں تلامزہ داغ کی شعری خدمات۔شاہد احمد

تذکرہ شعرائے راجپوتانہ۔شاہد احمد